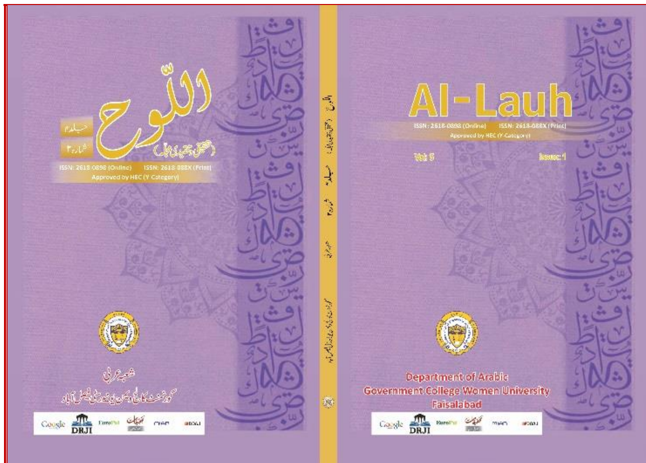

OPEN ACCESS

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

Al-Lauh

Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2618-088X. (E) 2618-0898

Project of **Govt. College Women University Faisalabad,**

Madina Town, Faisalabad, Pakistan.

Website: www.allauh.com

Approved by Higher Education Commission Pakistan

Indexing: Euro Pub, Journal Factor, DOAJ, DRJI, Urdu Jaraid, Asian Research Index

TOPIC

مجددی شرح حدیث۔ موضوعاتی مطالعہ وجائزہ

Mujaddidi Comentary on Hadith: A Thematic Study and Review

AUTHOR

1. Hafsah Arif, Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, Govt. College University, Faisalabad.

How to Cite: https://allauh.pk/

https://allauh.pk/index.php/allauh/issue/view/4

Vol. 5, No.1 || January to June 2026 ||

Published online: 30-06-2026

مجددی شرح حدیث۔ موضوعاتی مطالعہ وجائزہ

Mujaddidi Comentary on Hadith: A Thematic Study and Review

حفصہ عارف[1]

Abstract:

Hazrat Mujaddid Alf-i Thānī, Imām Rabbānī (may Allah have mercy on him), was one of the greatest reformers in Islamic history who guided humanity, which had been immersed in intellectual and spiritual darkness, towards enlightened and righteous paths. He fulfilled this noble mission not only through his practical efforts but also through his scholarly writings, which illuminated the hearts and minds of people. His teachings remained strictly in accordance with the principles of the Sharīʿah, consistently drawing guidance from the Qurʾān and Sunnah.

Due to his profound scholarship and intellectual contributions, he became widely recognized as a reformer (Mujaddid), jurist (Mujtahid), thinker (Mutafakkir), exegete (Mufassir), and scholar of Ḥadīth (Muḥaddith). His scholarly and reformative services were not only widely acknowledged in the tenth century Hijrī but continue to be appreciated throughout the ages. His teachings remain a lasting source of guidance for generations to come.

Imām Rabbānī closely linked his teachings with the Qurʾān and Sunnah and devoted significant efforts to the moral and spiritual reform of society. As a scholar of Ḥadīth, he explained the sayings of the Holy Prophet Muḥammad (peace and blessings be upon him) in a clear and accessible manner for the general public. In his explanations, he presented thoughtful analytical traditions related to various aspects of Islamic life, including beliefs (ʿAqāʾid), acts of worship (ʿIbādāt), social dealings (Muʿāmalāt), righteous actions, the Prophetic biography (Sīrah), virtues (Faḍāʾil), and other important themes.

Through these detailed explanations, he addressed and resolved many intellectual and practical questions faced by the Muslim community. The present article offers a thematic analysis of selected important interpretations presented by Imām Rabbānī (may Allah have mercy on him), highlighting their scholarly significance and relevance.

Keywords: Imām Rabbānī, Mujaddid Alf-i Thānī, Ḥadīth Commentary, Thematic Analysis, Islamic Reform, Qurʾān and Sunnah, Mujaddidī Tradition.

حضرت مجدد الف ثانیؒ وہ عظیم مصلحِ اعظم ہیں جنہوں نے تاریکی میں ڈوبی ہوئی خلقت کو درخشاں راہوں کی طرف گامزن کیا۔ انہوں نے نہ صرف عملی طور پر اس فریضہ کو سرانجام دیا بلکہ اپنے قلمی رشحات کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کے قلوب واذہان کو منور کیا۔ آپؒ کی تعلیمات عین شریعت کے تابع رہیں جن میں جابجا قرآن وسنت کو پیشِ نظر رکھا گیا۔ آپؒ بطور

مصلح، مجتہد، مفکر، مفسر ومحدث معروف ہوئے۔آپؒ کی خدمات کو نا صرف دسویں صدی ہجری میں شہرت حاصل تھی بلکہ رہتی دنیاان کی خدمات وتعلیمات کو سراہا جائے گااوران سے رہنمائی حاصل کی جاتی رہے گی۔آپؒ نے نہ صرف قرآن وسنت کو اپنی تعلیمات کا حصہ بنایا بلکہ عوام الناس کی اصلاح کی خاطر بحیثیت محدث، نبی مکرم ﷺ کے فرامین کی سہل انداز میں وضاحت فرمائی۔

یہ تحقیقی مقالہ موضوعاتی مطالعے پر مشتمل ہے، جس میں امام ربانی مجددِ الف ثانیؒ کی منتخب احادیث کی شروحات کو عقائد، سیرت وفضائل،اعمال،اور متفرق موضوعات کے تحت مرتب کیا گیا ہے۔اس کا بنیادی مقصد امام ربانیؒ کے شارحانہ منہج کو واضح کرنااوران کی فکری بصیرت کو اجاگر کرنا ہے۔امام ربانیؒ نے احادیث کی شرح میں قرآن مجید، دیگر احادیث،اقوالِ صحابہ،اور صوفیۂ کرام کے مکاشفات کو بطور دلیل استعمال کیا ہے۔وہ ہر مسئلہ کو لغوی، شرعی،اور باطنی تینوں پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں اور جہاں اشکال ہوتا ہے، وہاں احادیث کو باہم مربوط کر کے تشریح فرماتے ہیں۔امام ربانیؒ کا شارحانہ منہج قرآنی[1] اور نبوی تعلیمات کے ساتھ تصوف، فقہ،اور علمِ کلام کو ہم آہنگ کرتا ہے۔ان کی شروحات میں توحید، محبتِ رسول ﷺ،اور اتباعِ سنت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ان کے نزدیک شریعت کی پیروی ہی روحانی ترقی اور نجات کی واحد راہ ہے۔ مقالہ ہذا میں موضوعات کی مناسبت سے حضرت امام ربانیؒ کی بیان کردہ تشریحات میں سے چند مباحث کی موضوعاتی ترتیب کو مدنظر رکھ کر وضاحت کی گئی ہے۔

- **عقائد سے متعلقہ احادیث کی شرح**

عقائد سے متعلقہ احادیث کی مجددی شرح کو موضوعات کے تحت بیان کیا گیا۔

ا۔خلقِ آدم:

حدیث "**ان الله خلق ادم علي صورته**"[2] کی شرح میں امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ذات وصفاتِ حق باری تعالیٰ میں مماثلت کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مخلوقات میں صفات کی صورت پائی جاتی ہے حقیقت نہیں۔اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے ذریعہ سے جس میں چاہتا ہے وہ صفات اور صلاحیتوں کو ودیعت فرماتا ہے۔یوں کہا جا سکتا ہے کہ تمام کمالات وصفات سے متصف اللہ رب العزت کی ذاتِ بابرکات ہے۔ وہی قادر مطلق ہے اور کسی بھی انسان کو اللہ کی صفات میں کسی قسم کی مماثلت کا حق حاصل نہیں۔ صفات کے آثار جو اللہ رب العزت کے پیدا کرنے کی وجہ سے ان میں ظاہر ہوئے تو محض ان آثار کے پائے جانے کی وجہ سے ان پر صفات کا اطلاق کر دیا جاتا ہے بغیر اس کے کہ ان صفات کی حقیقت ان کے اندر متحقق ہو۔ورنہ وہ بے حسی و حرکت جمادات کے علاوہ کچھ نہیں۔مزید یہ کہ امام ربانیؒ کہتے ہیں کہ تحقیق سے یہ ثابت ہو گیا کہ صفات اور ذات کے واسطے کے بغیر ان صفات کے آثار کا خالق حق تعالیٰ ہی ہے۔لہذا ذات کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ ان آثار کی ایجاد و تخلیق کا محل ہوتی ہے۔[3] اللہ رب العزت نے انتہائی بلیغ انداز میں قرآن مجید میں اپنی ذات سے مماثلت کی نفی کی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لیس کمثلہ شيء و هو السميع البصير 4

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ذات وصفات باری تعالیٰ میں مماثلت کی نفی فرمائی۔ درج بالا حدیثِ مبارکہ میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔امام ربانیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔[5] لہذا نا تو خدا تعالیٰ کی ذات کا کوئی مثل ہے اور نہ ہی اس کی صفات کا۔اس سے ثابت ہوا کہ نہ خدا کی ذات کو پہچانا جا سکتا ہے نہ

اس کی صفات کو۔آدمی جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت میں عاجز ہے اسی طرح اس کی صفات میں بھی عاجز ہے۔[6]

۲۔رویئتِ باری تعالیٰ:

حدیثِ مبارکہ "**ان في جسد بني ادم لمضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله**"[7] رؤیتِ باری تعالیٰ کی تائید کرتی ہے کہ مؤمنین کو آخرت میں اللہ رب العزت کا دیدار نصیب ہوگا۔علمائے متکلمین،اہلِ سنت اور معتزلہ کا اس حوالے سے اختلاف ہے۔معتزلہ رؤیتِ باری تعالیٰ کے انکار کے قائل ہیں جبکہ متکلمینِ اہلسنت رؤیتِ باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔امام ربانیؒ نے یہاں پر واضح کیا ہے کہ آخرت میں مومنین کے لیے خدا تعالیٰ کا دیدار برحق ہے اور اس مسئلہ کے قائل صرف اہلِ سنت ہیں دیگر حکمائے فلاسفہ اور اسلامی فرقوں میں سے کوئی بھی شخص اس کا قائل نہیں اور ان کا انکار بوجہ غائب کو حاضر پر قیاس کرنا ہے جو بہر حال فاسد اور غلط ہے۔

آپؒ مزید لکھتے ہیں کہ نظر آنے والی ہستی بے چوں ہوگی جو رؤیت اس سے متعلق ہوگی وہ بھی بے چوں ہی ہوگی۔اس پر ایمان لانا چاہئے مگر اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کس طرح اور کیوں کر ظاہر ہوگی۔قدرت نے اس راز کو آج بھی خواص پر منکشف فرمایا ہے اور جو کچھ اولیاء اللہ کو مشاہدہ ہوتا ہے وہ اگرچہ رؤیت نہیں ہے لیکن بے رؤیت بھی نہیں ہیں۔ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے گویا کہ وہ حق تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔آپؒ لکھتے ہیں کہ قیامت کے روز تمام مومنین حق تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے لیکن ادراک نہیں کر سکیں گے۔وہ صرف دو چیزوں کو معلوم کر سکیں گے۔ایک تو اس بات کا یقین کہ وہ دیکھ رہے ہیں دوسرا وہ لذت جو رویئت پر مرتب ہوتی ہے۔ان دو چیزوں کے علاوہ دیگر تمام لوازمات رویت مفقود ہوں گے۔[8]

۳۔کلمہ طیبہ کی حقیقت:

رسالہ تہلیلیہ میں مذکورہ احادیث: "**مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، ثُمَّ مَاتَ......**"[9]، "**مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ إِلاَّ حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ.**"[10]، "**مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ.**"[11]، "**مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ،دَخَلَ الْجَنَّةَ**".[12]

کلمہ طیبہ کی فضیلت کے حوالے سے ہیں۔جنہیں نقل کرنے کے بعد امام ربانیؒ کلمہ طیبہ کے پہلے جزو توحید کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ توحید سے مراد ہے کہ اس ذاتِ پاک کے واجب الوجود اور معبودِ برحق ہونے میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔اور

اسی عقیدہ میں آخرت کی نجات اور غیر فانی سعادت کا راز مضمر ہے۔ تمام انبیاء کرام نے بھی اسی کی طرف دعوت دی۔ صوفیہّ کرام کے نزدیک توحید کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں اس لئے وہ وجود میں کسی کو اس کا شریک نہیں مانتے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ موجود مطلق تھا اور اس وقت تک نہ کسی قسم کی تخلیق تھی اور نہ کوئی اور قید لگی ہوئی تھی۔ بعینہ اسی طرح وہ اب بھی موجود ہے اور جس چیز کو دنیا غیر، مقید اور سوی سے موسوم کیا جاتا ہے وہ محض دکھاوا اور جلوۂ قدرت ہے۔

اس کے بعد امام ربانیؒ اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ کیونکہ یہ قید (ہستی) حقیقت میں موجود نہیں ہے بلکہ پہلے کی طرح معدومِ محض ہے۔ اس لئے کہ اعیان (چیزوں) نے وجود (حقیقی) کی بو تک نہیں سونگھی اور موجود حقیقی خدائے واحد وقہار کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اس لیے اس ہستی کو وجود کے مرتبہ تنزل سے موسوم کیا جاتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کوئی تنزل مقصود ہے اور نہ کوئی ترقی بلکہ وہ ہر قید سے آزاد ہے یہاں تک کہ مطلق کی قید سے بھی آزاد ہے۔ البتہ احکام کے مراتب کا جامع ہے اور ہر مرتبہ کے مخصوص احکام ہیں جن سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکتا۔

صوفیہّ کرام کا کہنا ہے کہ انہیں کشف و مشاہدہ سے اس بات کا علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اس کی عین ذات ہے اور حقیقت میں اس کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔ اس کی ذات کے علاوہ تمام اشیاء اس کا پرتو اور عکس ہیں جو اس کی ذات سے ملحق ہیں ۔اس لئے اصل اور صحیح وجود اللہ تعالیٰ کا ہے جو بذاتِ خود مستقل اور قائم بالذات ہے۔ اس لئے وجود اور موجود دونوں ایک ہی چیز ہیں کیونکہ وجود قیام جس کے ساتھ ہو خواہ وہ صفت موصوف کی شکل میں ہو یا بذات خود قائم ہو پس یہ وجود ایک مستقل حقیقت ہے نہ کہ صفت جو کہ قائم بالغیر ہو۔ پس اللہ کے سوا کوئی اور اور موجود ہی نہیں۔

اس پر امام ربانیؒ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عین وجود ہے اس کے برخلاف ممکن کی ذات نہ تو عین وجود ہے اور نہ وجود کے ساتھ متصف و ملحق اور نہ وجود کے ساتھ اس کا عارضی قیام ہے۔ بلکہ وجود کے ساتھ مخصوص نسبت و تعلق کی بنا پر اس کا مشاہدہ ہوتا ہے گویا کہ وہ موجود ہو پس ممکنات کا وجود کی عبارت ہے۔ اس نسبت خاصہ سے جو ان کو وجود مطلق کے ساتھ ہے جبکہ وجود ان سے قائم نہیں۔ مکمل بے نیازی اور تمام ظاہری و باطنی کمالات حق تعالیٰ کو حاصل ہیں کیونکہ وہی عین وجود ہے اور کمالات کا سرچشمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی وجود ہے اور نہ ظاہری نمود بلکہ مخلوق اللہ تعالیٰ کے وجود کا عکس ہے جو اعیان (چیزوں) کے آئینوں اور ان کی جلوہ گاہ میں نمودار ہے۔ جبکہ اعیان اپنی معدومیت پر باقی ہیں۔ اس کی تائید میں آپؒ، حضرت جنید بغدادی کا قول نقل کرتے ہیں کہ جب ان سے توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؒ نے فرمایا کہ " پانی رنگ میں اس کے برتن کا رنگ ہوتا ہے "یعنی وہ کمالات اور وجود جو اعیان (چیزوں) میں نظر آرہا ہے وہ صرف اللہ رب العزت کو جود و کمالات کا عکس ہیں۔ انہوں نے وجود کی خوشبو بھی نہیں سونگھی۔ لہذا یہ کائنات ان اعیان سے مرکب ہے جو تجلیِ باری تعالیٰ کے ذریعے موجود و مخلوق سمجھی گئی۔[13]

۴۔ اللہ جل شانہ کے انوار و تجلیات:

حدیث" ان الله تعالیٰ سبعین الف حجاب من نور ظلمة لو کشفت لاحرقت سبحات وجهة ما انتهي اليه بصره من خلقة"[14] میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے حوالے سے امام ربانی نے خواجہ باقی باللہؒ کے اس قول کی تائید میں نقل فرمایا

جس میں مراتب تعین اور لاتعین کی وضاحت ملتی ہے۔ خواجہ باقی باللہ کا قول یہ ہے "اور اگر اللہ تعالیٰ علم کے لباس میں اپنا نظارہ کرنے والوں کے باطن کا حجاب نہ ہوتا تو اس کے جلال کے آفتاب کی تاب میں کسی چیز کا نام و نشان باقی نہ رہتا۔"اس کی شرح کرتے ہوئے آپؒ لکھتے ہیں کہ اگر یقین اوّل سے جو کہ علم اور اجمالی یقین ہے اور جس کو حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ متعین نہ ہوتا تو اس کا نظارہ کرنے والوں کا اس کے جلال کے انوار و تجلیات کی وجہ سے نام و نشان باقی نہ رہتا جیسا کہ حدیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے۔

اولیاء کرام نے مراتبِ مشہود کی انتہا تعین اول تک بیان فرمائی اور اس سے اوپر لاتعین کا مرتبہ ہے اور ان بزرگوں نے مشہود کے لیے وہاں کوئی گنجائش نہ سمجھی۔ آپؒ کہتے ہیں کہ اگرچہ ان بزرگ ہستیوں کے نزدیک مرتبہ لاتعین نہیں لیکن مشہود سے بھی بالاتر بہت سے مراد ہیں جو کہ سب کے سب لاتعین میں جائز قرار دیے گئے ہیں۔ اور مشہور وصول کی دہلیز ہے اور وصول کے مراتب مشہور سے بلند تر ہیں اور انسان کو آخرت میں اللہ تعالیٰ کا جو دیدار نصیب ہوگا تو اس کا تعلق مرتبہ لاتعین سے ہوگا کیونکہ اس جگہ تمام تعینات علمی ہیں خارجی نہیں اور علمی تعین ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے لیے پردہ بن جاتے ہیں۔

مشہودِ دنیوی کے خلاف کہ وہ بھی ایک تعین کی قسم ہے۔ جس کا تعلق ذہن سے ہو سکتا ہے کہ علمی تعین اس کا حجاب بن

جاتے ہیں۔ اور ہمیں یہ یقینِ کامل ہے کہ آخرت میں اللہ رب العزت کا دیدار نصیب ہوگا۔ اولیاء کرام میں سے خاص الخاص ہستیاں اس دنیا میں بھی اس مقام سے بہرہ مند ہوئی ہیں۔[15]

➢ سیرت وفضائل سے متعلقہ احادیث کی شرح

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، فضائلِ صحابہ و اہلِ بیت سے متعلقہ احادیث کی مجددی شرح کو موضوعات کے تحت بیان کیا گیا۔

ا۔ مقامِ صدیقیت کی انتہا:

اس روایت " اسلم شيطاني"[16] کی شرح کرتے ہوئے امام ربانیؒ لکھتے ہیں کہ بعض اکابر کے نزدیک مقامِ صدیقیت کے انتہا حب جاہ و حب ریاست کا دل و دماغ سے نکل جانا ہے۔ لیکن اصل میں حبِ جاہ و حبِ ریاست کی قسم کا تعلق نفس سے ہے اور جب تک یہ برائی اس سے دور نہ ہوگی تزکیہ ممکن نہیں اور تزکیہ حاصل نہ ہو تو کوئی بھی شخص مقام ولایت کو نہیں پہنچ سکتا یعنی مقام صدیقیت تک نہیں پہنچ سکتا۔ آپؒ لکھتے ہیں کہ اکابر کے نزدیک حبِ جاہ و حبِ ریاست کا دماغ سے نکلنا ہی مقامِ صدیقیت کی

انتہاہے تو دراصل اس سے مراد صرف انسان کی اس فطرت " انا خير منه "کا دماغ سے نکلنا ہی اطمینان نفس کے حاصل ہونے اور مرتبہ ولایت تک پہنچنا ہے [17]. اور اسی طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے۔امام ربانیؒ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق اسی بلند مقام سے ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے۔[18]

ایک دوسرے مقام پہ آپؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیثِ مبارکہ میں شیطان سے مراد شیطانِ انفسی ہے اگرچہ اس شیطان کا زور بھی توڑا ہوا اور وہ بھی سرکشی سے باز آچکا ہے۔ لیکن جو بات کسی چیز کی ذات میں داخل ہو اس کی ذات سے زائل نہیں ہوا کرتی۔اور یہ کہ شیطان سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انفسی شیطان ہو لیکن اس کے مسلمان ہو جانے سے یہ بات لازم نہیں آتی اس میں سرکشی کا مادہ بالکل ہی نہیں رہا۔ مسلمان ہو جانے کے باوجود اگر وہ عزیمت کو چھوڑ کر اس پر عمل کر لے تو قطعاً ممکن ہے۔ اگر اس سے کوئی صغیرہ گناہ سرزد ہو جائے جس میں کوئی نیکی نہ ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے۔بلکہ نیک لوگوں کی نیکی جو مقربان بارگاہ کے لیے بدی بن جاتی ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے۔یہ تمام کی تمام سرکشی کی اقسام ہیں اور اس میں سرکشی کا باقی رہنا بھی اس کی اصلاح اور ترقی کے لئے ہے کیونکہ ان امور کے حاصل ہو جانے کے بعد اس شخص کو ندامت، پشیمانی اور توبہ واستغفار نصیب ہو جاتا ہے جو بے انتہاء ترقیات کا موجب بنتا ہے۔[19]

۲۔اللہ کے حضور سجدہ ریزی کی برکت:

"حربك حربي"[20] کی شرح کرتے ہوئے امام ربانیؒ کہتے ہیں کہ کمال کے آخری نقطہ تک پہنچنے والوں کو الٹے پاؤں لوٹتے وقت سب سے انتہائی درجے تک اترنا ہوتا ہے اور کمال کے آخری نقطہ تک پہنچنا اس وقت صحیح ہوتا ہے جبکہ اس کا نزول انتہائی نچلے درجے تک واقع ہو اور جب اس کا خصوصیت کے ساتھ نزول واقع ہوتا ہے تو صاحبِ رجوع اپنی پوری ذات کے ساتھ عالمِ اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ایسا نہیں ہوتا کہ صاحبِ نزول کا کچھ حصہ بارگاہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور دوسرا کچھ حصہ مخلوق کی طرف متوجہ رہے۔ وگرنہ اس شخص کو کمال کے آخری نقطہ کا وصول حاصل نہیں ہوا اور نہ انتہائی نچلے درجے تک نزول نصیب ہوا۔اس کی مثال آپؒ نے نماز سے پیش کی ہے کہ نماز ادا کرتے ہوئے صاحبِ رجوع کے لطائف کی توجہ بارگاہِ اقدس کی طرف رہتی ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد وہ پھر اپنی پوری ذات کے ساتھ مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

سنتوں اور نوافل کی ادائیگی کے وقت چھ کے چھ لطائف بارگاہِ اقدس کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور نوافل کی ادائیگی کے وقت ان لطائف میں سے صرف وہی لطیفہ متوجہ رہتا ہے جو ان سب میں لطیف تر ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں وارد ہوا۔امام ربانیؒ لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس میں اسی خاص وقت کی طرف اشارہ ہے جو نماز کے ساتھ مخصوص ہے اور اسی لطیف اشارے کی وضاحت میں امام ربانیؒ یہ حدیث " قُرَّةَ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ"[21] نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس قرینے کے علاوہ کشفِ صحیح اور الہامِ صریح بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔مشائخ نے اس کمال کو جمع بین توجہین میں شمار کیا ہے۔[22]

۳۔صفتِ نبی مکرم ﷺ:

"انشقاق القمر "[23]میں اولیاءاللہ کی صفاتِ بشریت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ امام ربانیؒ لکھتے ہیں کہ اولیاءاللہ کے پردے اور حجابات دراصل ان کی صفاتِ بشریت ہی ہیں۔ جن چیزوں کے سبب لوگ محتاج ہوتے ہیں یہ بزرگ بھی ان سب چیزوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ ولایت انہیں اس احتیاج سے ہرگز بے نیاز نہیں کرتی۔ ان کا غصہ بھی عام لوگوں کے جیسا ہی ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے بارے میں یہ ارشاد فرمایا تو اولیاءاللہ کیونکر اس سے بچ سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ ہستیاں بھی کھانے پینے، اہل و عیال کے ساتھ معاشرت اور موانست کرنے میں دیگر لوگوں کے ساتھ شریک ہوتی ہیں۔ یعنی مختلف قسم کے تعلقات جو بشر ہونے کے لئے لازم ہیں خواص و عوام میں سے کسی سے بھی زائل نہیں ہو سکتے۔ اس کی تائید میں آپ اس آیت مبارکہ سے استفادہ کرتے ہیں۔[24]

مال هذا الرسول ياكل الطعام و يمشى فى الاسواق [25]

اسی طرح جو شخص اولیاءاللہ کے ظاہر کو مدنظر رکھتے ہیں تو ان کے ہاتھ صرف دنیا اور آخرت کا خسارہ ہی آتا ہے اس کی مثال امام ربانی ابو جہل اور ابو لہب کا اسلام کی دولت سے محروم ہونے سے دیتے ہیں کہ ظاہر بینی کی بدولت ان کے حصے میں صرف خسارہ ہی آیا۔ تو سعادت مند وہی ہے کہ جس کی نظر اہل اللہ کی ظاہر بینی سے کی بجائے ان کی باطنی صفات تک پہنچے۔[26]

۴۔ مقامِ اہلِ اتباع و تقلید:

اس روایت "**رَأَيْتُنِي دَخَلْتُ الجَنَّةَ، فإذا أنا بالرُّمَيْصاء، امْرَأَة أبي طَلْحَةَ، وسَمِعْتُ خَشَفَةً، فَقُلتُ: مَن هذا؟ فقالَ: هذا بلالٌ، ورَأَيْتُ قَصْرًا بفنائه جارِيَةٌ، فَقُلتُ: لِمَن هذا؟**....."[27] کی شرح کرتے ہوئے امام ربانیؒ نے اہل علم کے سامنے تقلید اور اتباع کرنے والوں کے مقام کی وضاحت کرتے ہیں کہ ایسے لوگ جو اللہ رب العزت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں تو ان کی معمولی سی خطا بھی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دوسروں لوگوں کے صواب سے بہتر ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اذان کے دوران حضرت بلالؓ کا شین کی بجائے سین پڑھنا بھی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پسندیدہ ہے۔ کیونکہ آپؓ عجمی تھے اور اذان میں سین مہملہ کے ساتھ" **اسھد**" کہا کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک کی" **اسھد**" کہنا "**اشھد**" ہی تھا۔ لہذا حضرت بلالؓ کی یہ خطا دوسروں کے صواب سے بہتر ہے۔

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے آپؒ لکھتے ہیں کہ مرید جس کمال کو بھی حاصل کرتا ہے وہ اپنے پیر کی تقلید ہی کی بدولت حاصل کرتا ہے۔ پیر کی غلطی بھی مرید کے صواب سے بہتر ہے۔ آپؒ اس کی مزید وضاحت کے طور اپنے عزیز کا قول نقل کرتے ہیں کہ بعض دعائیں جو مشائخ سے منقول ہیں اور اتفاقاً ان میں سے بعض دعاؤں میں کوئی خطا کی اور اسے بگاڑ کر پڑھا ہے تو اگر ان کے مریدین و پیروکار ان دعاؤں کو اسی تحریف کے ساتھ ہی پڑھتے ہیں جس کے ساتھ ان کے مشائخ نے پڑھا تھا تو وہ دعائیں پر تاثیر ہوتی ہیں لیکن اگر وہ انہیں درست کر کے پڑھتے ہیں تو تاثیر سے خالی رہ جاتی ہیں۔[28]

۵۔ نبوتِ محمدی ﷺ کا اثبات:

امام ربانیؒ نے مختلف مقامات پر نبوتِ محمدی ﷺ کے اثبات میں احادیث نقل کیں جیسے **" أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا يوم الْقِيَامَة "**[29]، **" وأَنَا أَكْرَم الأَوَّلين وَالآخرين وَلَا فَخْرَ "**[30]، **" أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: وَاللهِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يقُومُ عَلَى بَابِ حُجْرَتِي وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِد........ "**[31]، **" انا سيد ولد ادم "**[32] اس کے بعد رسالت محمدی ﷺ کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا: اس کے اثبات علماء کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو ثابت کرنے کی معتبر دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا دعوی کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ اقدس پر معجزات کا ظہور ہوا۔ آپ ﷺ کا نبوت کے بارے میں دعوی کرنا متواتر روایات سے ثابت ہے اور معجزات میں سے قرآن مجید اہم ترین معجزہ ہے۔ قرآن پاک اس وجہ سے معجزہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند بانگ، فصیح و بلیغ، خالص عربی ادباء کو چیلنج کیا اور ان کو دعوت دی کہ وہ قرآن جیسی کوئی سورت پیش کریں مگر وہ لوگ قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورت کے برابر بھی کوئی چیز پیش نہ کر سکے۔ لہٰذا جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے اور معجزات دکھلائے، نبی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ نبوت کے دعویدار کی طرف سے معجزہ کے ظہور کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں اس کی صداقت کا یقین پیدا کر دیتا ہے اور جھوٹے انسان کی طرف سے معجزہ کا اظہار نہیں ہو سکتا۔

امام ربانیؒ لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے علاوہ دیگر معجزات کا ظہور متواتر روایات سے یقینی ہے اگرچہ ان کی تفصیل تواتر سے منقول نہیں لیکن اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت سے قبل، تبلیغ کے دوران اور تبلیغ دین کے بعد کے واقعات اور حالات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا واضح ثبوت ہیں۔ تبلیغ دین کے حوالے سے آپ کو جو اذیتیں اور تکالیف برداشت کرنی پڑیں ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"ما أوذي نبي مثل ما أوذيت"**[33]

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم نے صبر واستقلال کے ساتھ ان تمام تکالیف کو برداشت کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزم وہمت میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمنوں کے خوف سے کبھی بھاگے نہیں خواہ کتنا ہی خوف وخطرہ لاحق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ فرمایا:

والله يعصمك من الناس[34]

اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ رب العزت کی نگہبانی پر مکمل اعتماد نہ ہوتا تو ان تمام کمالات اور خوبیوں کا ظہور عادتاً ممکن نہ تھا۔ پوری کائنات کے حالات وواقعات میں تغیر پیدا ہوا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ میں ذرہ برابر بھی تبدیلی رونما نہ ہوئی۔ یہ تمام باتیں ثابت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ کی طرف سے نبوت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے۔[35]

۶۔دعویٰ نبوت کے اثبات:

امام ربانیؒ نے دعویٰ نبوت کے اثبات میں اس حدیثِ مبارکہ " **انما انا بشر مثلکم اغضب کما یغضب البشر** "[36] کو نقل کرنے کے بعد لکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دین کو تمام ادیان پر غالب فرمایا وہ تمام کھوٹے ادیان پگھل گئے اور فاسد و گمراہ کن کلام مٹ گئے اور اطرافِ عالم میں توحید کے آفتاب اور اور تنزیہ کے ماہتاب روشن ہوئے۔ لہذا نبوت کے یہی معنی ہیں اور نبی تو دراصل وہی ہوتا ہے جو نفوسِ بشریہ کی تکمیل کرتا ہے اور دل کے ان امراض کا جو اکثر نفوس پر غالب ہوتے ہیں، علاج کرتا ہے اور جب بیمار دلوں کے علاج اور گمراہی کے اندھیروں کے دور کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی تاثیر اکمل واتم تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے کا یقین واجب ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الانبیاء والرسل تھے۔[37]

۷۔قربِ الٰہی کا حصول:

"**قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ، فَقِيلَ لَهُ: غَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، قَالَ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا.**"[38] میں قربِ خداوندی کے حصول کے حوالے سے امام ربانیؒ قرب کے اعتبار سے چند مراتب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا کہ ولایت و نبوت میں سے ہر ایک کا حصول قربِ خداوندی کے مراتب میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب بے چون و بے چگون ہے۔ جب تک بندہ بے چونی کا مظہر نہ ہو گا اس قرب کو معلوم نہیں کر سکتا اور عام لوگ جو کچھ قرب کو سمجھتے ہیں بلکہ اکثر اربابِ کشف بھی کشف کے ذریعے قرب کے معنی کو سمجھتے ہیں تو یہ اجسامِ لطیفہ کے قرب کے قبیل سے ذات (حق تعالیٰ و تقدس) میں قدم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ بلند ہے۔ اللہ کا قرب دو قسم کا ہے ایک اس کی ذات کا تو دوسرا اس کی صفات کا قرب۔ جو قرب اسماء و صفات کے ظل سے تعلق رکھتا ہے وہ حقیقت میں اس قرب کے دائرے سے خارج ہے اور اس پر قرب کے لفظ کا اطلاق مجاز کے طور پر ہے۔ پس اللہ کا بالاصالت قرب انبیاء کے حصے میں ان کے درجات کے خلاف کے مطابق ہے اور مرتبۂ نبوت کے کمالاتِ تابعہ میں سے ہے اور انبیاء کے اصحاب تبعیت کے مرتبہ پر اس قرب سے علیٰ فرق مراتب حصہ رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ اس قربِ ذاتی کی دولت سے مشرف ہیں وہ سابقین ہیں۔ جس کے حوالے سے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ[39]

چونکہ اولین میں ہزاروں انبیاء تھے ان کے اصحاب بھی لاکھوں تھے تو یقیناً آخرین میں سے بھی کثیر تعداد ہے جو کہ ایک پیغمبر خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنے والے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا اسی طرف اشارہ تھا کہ قربِ الٰہی کے اعتبار سے معلوم نہیں کہ ان میں سے اولین زیادہ بہتر ہوں گے یا آخرین۔ صفات کا قرب کامل اولیاء کا

حصہ ان کی صلاحیتوں کے فرق کے اعتبار سے ہے اور یہ قربِ انبیاء کی ولایت کے کمالاتِ تابعہ سے کہ پیروی کی وجہ سے ان کی پیروی کرنے والوں کو حاصل ہوا ہے۔[40]

۸۔ فضائلِ صحابہ واہلِ بیت:

حدیث "**لو كان نبي بعدى لكان عمر**"[41] اور "**لَو نَزلَ الْعَذَابُ مَا نَجَا مِنْهُ إلّا عُمَرَ و سعد بن معاذ**"[42] کے تحت علمائے ماوراءالنہر کے نزدیک خلفائے ثلاثہ کو گالی دینا کفر ہے جس کے جواب میں روافض نے کہا کہ صحابہ کرامؓ سے بعض افعالِ قبیحہ وجود میں آئے جو اس عہد و بیعت کے خلاف ہیں۔ امرِ خلافت میں نصِ پیغمبر ﷺ کی مخالفت کی اور خلافت غصب کی اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو آزردہ کیا۔ وہ لوگ مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جس کا جواب امام ربانیؒ نے یوں دیا کہ آزارِ فاطمہؓ کی ممانعت میں جو حدیثِ مبارکہ وارد ہوئی ہے وہ بہ ہر وجہ سے مطلق قرار نہیں ہو سکتی کیونکہ کہ حضرت فاطمہؓ بعض اوقات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آزردہ ہوئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بعض ازواجِ مطہراتؓ سے فرمایا: "**لا تُؤْذِينِي فِي عَائِشَةَ، فإنَّه واللَّهِ ما نَزَلَ عَلَيَّ الوَحْيُ وأَنَا في لِحَافِ امْرَأَةٍ مِنْكُنَّ غيرِهَا**"[43] یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آزارِ عائشہؓ کو اپنا آزار قرار دیا۔ پس ممکن ہے کہ جس کی ایذا کی ممانعت احادیثِ مبارکہ میں وارد ہوئی ہے وہ ایذائے مخصوص ہو جو ہوائے نفسانی اور شیطانی سے پہنچائی جائے۔

اسی طرح یہ معلوم ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت فاطمہؓ کے آزار کا باعث ورثہ فدک کی رکاوٹ تھی۔ جب حضرت ابو بکر نے اس حدیث مبارکہ "**لَا نُورثُ، ما تَرَكْنَا صَدَقَةٌ**" [44] بیان فرمائی تو تب یہ غضب و آزار اختیاری و قصدی نہ تھا بلکہ طبع بشری اور جبلت عنصری کے سبب تھا۔ یہ قدرت و اختیار کے تحت داخل نہیں اور اس کے ساتھ نہی و منع کا کوئی تعلق نہیں۔ اس حدیثِ مبارکہ کے راوی کا خیال ہے کہ جب حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے یہ حدیثِ مبارکہ سنی تو آپؓ نے تقاضائے فدک چھوڑ دیا۔ اسی طرح خاندان اہل بیت اور خاندان صدیق اکبر کے درمیان خوشگوار تعلقات بدستور قائم رہے یہاں تک کہ حضرت فاطمہؓ کو آخری غسل حضرت ابو بکرؓ کی زوجہ حضرت اسماءؓ نے دیا اور حضرت ابو بکر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔[45]

- **اعمال سے متعلقہ احادیث کی شرح**

۱۔ قلب کے لطائف

"**انزل القرآن علي سبعة احرف كلها شاف كاف**"[46] کی شرح کرتے ہوئے امام ربانیؒ لکھتے ہیں کہ جس طرح عارف کا قلب چھ لطائف سے مزین ہوتا ہے اسی طرح قلب کا قلب بھی ان تمام لطائف پر مشتمل ہوتا ہے اور آپ ان لطائف سے حاصل ہونے والے بعض علوم و معارف بیان کرتے ہیں تاکہ ان معارف کے توسط سے سالک نہایۃ النہایت اور غایۃ الغایت تک رسائی حاصل کر سکے۔ امام ربانیؒ نے یہاں پر چند اصطلاحات بھی بیان کی ہیں: عالمِ کبیر، عالمِ صغیر اور عالمِ اصغر۔ عالمِ کبیر سے مراد

کائنات، عالمِ صغیر سے مراد انسان اور عالمِ اصغر سے مراد انسانی قلب ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں کہ جو کچھ عالمِ کبیر میں ظاہر ہوتا ہے وہی سب کچھ عالمِ صغیر میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ جب عالمِ صغیر کا زنگ دور کرنے کے بعد اسے منور کیا جاتا ہے تو اس میں آئینے کی طرح وہ تمام چیزیں اجمالی طور پر ظاہر ہوتی ہیں جو تفصیلی طور پر عالمِ کبیر میں پائی جاتی ہیں۔

قلب یعنی عالمِ اصغر کا بعینہ وہی تعلق کے عالمِ صغیر سے ہے جیسا عالمِ صغیر کا عالمِ کبیر سے تعلق اور یہی صورتحال قلبِ قلب کی نسبت ہے یعنی تصفیہ اور نورانیت کی بدولت اس میں تفصیلات کا ظہور ہوتا ہے۔ قلبِ قلب کے کامل تصفیہ کے بعد اس میں وہ تمام چیزیں ظاہر ہونے لگتی ہیں جو تمام جہانوں یعنی عالمِ کبیر، عالمِ صغیر اور عالمِ اصغر میں پائی جاتی ہیں۔ لہذا قلبِ عارف تنگ ہونے کے ساتھ ساتھ وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ اور بسیط ہونے کے باوجود بہت زیادہ پھیلاؤ رکھتا ہے اور قلیل تر ہونے کے ساتھ ہی کثیر تر ہے۔ جسے دنیا کی کسی مخلوق میں بھی ظاہر نہیں کیا جاتا۔

اس لطیفہ میں اس قدر وسعت ہے کہ اس میں اللہ رب العزت کی عجیب وغریب نشانیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اسی لیے تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ میرے مومن بندہ کا قلب ہی ہے جو میری تجلیات کو سما سکتا ہے اور عالمِ کبیر اگرچہ ظہور ہونے کی وجہ سے آئینوں میں سب سے زیادہ وسیع ہے لیکن اپنی کثرت اور تفصیل کی وجہ سے اسے اس ذات یعنی رب العزت کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہیں جس میں قطعاً کثرت پائی جاتی ہے اور نہ بالکل تفصیل۔ اس ذات کی مناسبت کے لائق جیسا کہ ظاہر ہے وہی چیز ہو سکتی ہے جو تنگ ہونے کے باوجود وسیع تر ہو اور بسیط ہوتے ہوئے پورا پھیلاؤ رکھتی ہو۔ قلیل تر ہو اور ساتھ ہی کثیر تر بھی ہو۔ جب کوئی ایسا عارف جس کی معرفت مکمل تر اور جس کا شہود کامل تر ہو، اس مقام تک پہنچتا ہے جس کا وجود نادر ہے اور مرتبہ کے لحاظ سے شریف تر ہے۔ تو ایسا عارف تمام جہانوں اور تمام ظہورات کا قلب بن جاتا ہے۔ یہی شخص ولایتِ محمدیہ ﷺ کا صحیح حقدار اور دعواتِ مصطفویہ ﷺ کے ساتھ شرف اندوز ہوتا ہے۔[47]

۲۔ روح اور لطائفِ قلب

اس روایت "**انزل القرآن علي سبعة احرف كلها شاف كاف**"[48] کی شرح سے قبل امام ربانیؒ روح کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ روح کا تعلق دنیائے بے کیف سے ہے۔ لہذا اس کے لئے لا مکان ہونا ثابت ہے اور اس کی یہ لا مکانیت کا مکانِ حقیقی جل سلطانہ حق تعالیٰ کی نسبت سے عین مکانیت ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ عالمِ ارواح اس دنیا اور عالمِ بے کیف کے درمیان ایک برزخ ہے اور یوں عالمِ ارواح میں دونوں رنگ پائے جاتے ہیں۔ آپؒ روح کے نزول کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جس طرح ہاروت وماروت کو بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے بشریت کا جامہ پہنا کر دنیا میں بھیجا گیا اسی طرح روح بھی بعض مصلحتوں کے پیش نظر عالم کیف سے اتری اور عالم بے کیف کا رنگ اس سے پوشیدہ ہو گیا۔ اور روح کے عروج کے حوالے سے بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ اگر روح کو اللہ رب العزت کی عنایت سے عالمِ چوں سے عالمِ بے چوں کی طرف واپسی نصیب ہو تو پھر اس تنزل سے اسے دوبارہ عروج حاصل ہو جائے، تو نفسِ ظلمانی اور بدنِ عنصری کو بھی اس کی اتباع کرتے ہوئے ایک قسم کا

عروج حاصل ہوگا اور روح کو جو مقصود ہے وہ بھی ظاہر ہو جائے گا، نفسِ امارہ بھی مطمئن ہو جائے گا اور تاریکی نورانیت میں تبدیل ہو جائے گی۔

اس تمام سفر کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہوئے روح اپنے نقطہ آغاز کی طرف لوٹتے ہوئے نقطہ انجام کو پالے گی۔ اور قلب چونکہ عالمِ ارواح ہی سے تعلق رکھتا ہے لہذا اسے بھی برزخ میں قیام نصیب ہوگا اور نفسِ مطمئنہ بھی اسی جگہ قیام پذیر ہوگا۔ اس سب کے بعد جب بدنِ عنصری کو قرار نصیب ہوتا ہے تو جسم سے لطائف ستہ کے جدا ہونے اور ان کے عالمِ امر میں عروج پانے کے بعد ہر لطیفہ کا خلیفہ بدن ہی رہ جاتا ہے اور وہی ان تمام کے کام سرانجام دیتا ہے۔ اس کے بعد اگر الہام ہوتا ہے تو مضغہ گوشت پر ہوتا ہے جو در حقیقت جامہ قلبیہ کا خلیفہ ہے۔ اس مضغہ پر وارد ہونے والے الہام کی مثال امام ربانیؒ نے اس حدیثِ مبارکہ " **انه ليغان علي قلبي** "[49] نقل کرتے ہوئے بیان فرمائی ہے۔ اور یہ واضح کیا اس حدیث کی رو سے قلب سے مراد یہ گوشت کا لو تھڑا ہے۔ اس کی مزید وضاحت میں "**قلب المؤمن بين اصبعين من اصابع الرحمن**"، "**قلب المؤمن كريشة في الارض فلاة**"[50] احادیث کو نقل کرتے واضح کیا کہ ان احادیث میں قلب سے مراد وہی گوشت کا لو تھڑا ہے جیسا کہ اس حدیث "اللهم ثبت قلبي علي طاعتك"[51] میں قلب کے پلٹنے کا ذکر آیا ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ قلب کا قائم نہ رہنا اسی گوشت کے لو تھڑے کے لئے ثابت ہے۔ کیونکہ قلب کی حقیقت جامعہ کے لئے ہر گز نہیں ہو سکتی بلکہ وہ تو مطمئنہ ہے اور اطمینان میں راسخ ہو چکی ہے۔

جب حضرت خلیلؑ نے قلب کے اطمینان کی درخواست کی تو وہاں پر بھی مراد یہی گوشت کا لو تھڑا تھا۔ کیونکہ ان کا قلب حقیقی تو بلاشبہ مطمئن تھا بلکہ ان کا نفس بھی ان کے قلبِ حقیقی کی سیاست کی وجہ سے قطعاً مطمئن تھا۔ اس کے بعد امام ربانیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے قول پر تبصرہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ "الہام اس نفس مطمئنہ کی صفت ہے جس نے قلب کے مقام میں عروج حاصل کیا ہو اور یہ کہ اس وقت کے تمام رنگ آمیزیاں اور تمام تبدیلیاں نفس مطمئنہ کی صفات ہوتی ہیں۔" آپ لکھتے ہیں کہ صاحبِ عوارف کا یہ قول مذکورہ بالا احادیث کے خلاف ہے اور اگر حضرتِ شیخ کو مقام سے جس کی وہ بات کر رہے ہیں عروج میسر ہوتا تو ضرور حقیقتِ حال ان پر عیاں ہو جاتی اور اس صورت میں کشف والہام احادیثِ نبویہ ﷺ کے مطابق ہو جاتے۔ آپؒ مزید لکھتے ہیں کہ جو کچھ گذشتہ تحقیق میں، میں نے بیان کیا ہے یہی گوشت کا لو تھڑا خلیفہ بن جاتا ہے اور اس پر الہام وارد ہوتے ہیں اور یہ صاحبِ احوال اور صاحبِ تلوینات ہو جاتا ہے۔

یہ تمام باتیں متعصب، جاہل اور حقیقت امر سے کوتاہ لوگوں سے بڑی شاق اور بہت ہی گراں گزری ہیں۔ معلوم نہیں کہ وہ اس حدیث نبویہ کے بارے میں کیا جواب دیں گے جس میں واضح طور پر گوشت کے لو تھڑے کو قرار دیا گیا ہے۔ "**ان في جسد بني ادم لمضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله**"[52] اس حدیثِ مبارکہ میں

حضور نبی کریم ﷺ نے اس گوشت کے لوتھڑے ہی کو قلب قرار دیا ہے اور جسم کی خرابی کو اس کی درستگی اور خرابی پر منحصر فرمایا ہے۔ لہذا جو کچھ قلبِ حقیقی کے لئے درست ہے وہی کچھ اس مضغہ کے لئے بھی درست ہے۔[53]

۳۔ بدعت کی مذمت

امام ربانیؒ بدعت کی مذمت میں اس روایت **"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " أَرَأَيْتُم لَوْ أَنَّ نَهَرًا بباب أَحَدِكُم يغْتَسل فيه كُلَّ يوم خَمْسًا، ما تَقُولُ: ذَلكَ يبقي من درنه " قَالُوا: لَا يُبْقِي من درنه شيئًا، قَالَ: "فَذَلكَ مثْلُ الصَّلَوات الخَمْسِ، يَمْحُو اللَّهُ به الخَطَايَا"**[54] کو نقل کرنے کے بعد لکھا کہ ایسی جماعت کے حال پر تعجب ہوتا ہے کہ جو کہ دین میں نئی نئی چیزیں داخل کرتے ہیں اس کے باوجود کہ اسلام ہر طرح سے مکمل ہو چکا ہے اور پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا ہے اور ان نئی اختراعات کے ذریعے سے تکمیل دین کی تلاش کرتے ہیں۔ انہیں یہ اندیشہ ہی نہیں ہوتا کہ خدانخواستہ اس نوایجاد بات کی وجہ سے کہیں سنتِ مطہرہ کی نفی نہ ہو جائے۔ اس کی مثال وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ عمامہ کا شملہ دونوں بازوؤں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے لیکن بہت سے حضرات نے شملہ کو بائیں طرف چھوڑنا اختیار کیا ہے اور اپنے عمل سے انہیں مردوں کے ساتھ مشابہت کرنا منظور ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ ان کے اس عمل میں ان کی تقلید کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ اس بات سے لاعلم ہوتے ہیں کہ ان کا یہ عمل سنتِ مطہرہ کے منافی ہے۔ اور سنت سے ہٹا کر انہیں بدعت میں مبتلا کر رہا ہے۔

یہاں امام ربانیؒ ایک سوال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا بہتر ہے یا مردوں کے ساتھ؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو ہیں جو ایسی موت سے مشرف ہو چکے ہیں جو موت سے پہلے آتی ہے۔ اگر وہ لوگ مردہ کے ساتھ مشابہت کے متلاشی ہیں تب بھی ان کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت ہی مناسب ہو سکتی ہے۔[55]

۴۔ اتباعِ سنت کا اجر

اس حدیث مبارکہ **"كَأَنَّكَ تَرَاهُ"**[56] کے تحت امام ربانیؒ ولی کی نبی پر جزوی فضیلت کو بیان کرتے ہیں کہ ولی جس درجہ کمال کو بھی پہنچتا ہے تو وہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت ہی پہنچتا ہے۔ اور اگر نبی کی متابعت اور پیروی نہ ہوتی تو ولی کو خود ایمان بھی حاصل نہ ہوتا اور اتباع و تقلید کے پیش نظر اگر ولی کو جزوی فضیلتوں میں سے کوئی ایسی فضیلت عطا ہو جو نبی کو حاصل نہیں تھی اور اسے بلند درجات میں سے کوئی خاص درجہ میسر ہو جائے جو نبی کو میسر نہیں تھا تو یقیناً نبی کو بھی اس جزوی فضیلت اور اس خاص درجہ سے پورا پورا حصہ ملتا ہے۔ کیونکہ ولی میں اس کمال کا حصول اس نبی کی پیروی کے توسط سے ہی ہے اور یہ سب کچھ اس کی اتباع سنت کے نتائج کا ایک نتیجہ ہے۔ اسی لیے اس حدیثِ مبارکہ میں فرمادیا گیا کہ اگر کسی نے اچھے عمل کی بنیاد رکھی تو اسے خود اس کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے برابر بھی ثواب ملے گا جو اس پر عمل پیرا ہوں گے۔

امام ربانیؒ کہتے ہیں کہ ولی اس کمال کے حصول میں پیشرو ہو گا اور اس درجہ تک پہنچنے میں مقدم ہو گا۔ ولی کی نبی پر اس قسم کی فضیلت کو علمائے کرام نے جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ جزوی فضیلت ہے جبکہ کلی فضیلت صرف نبی کے لیے ہی ہے۔ ابن عربی کا یہ قول "خاتم الانبیاء علوم و معارف کو خاتم الولایت سے حاصل فرماتے ہیں" نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کا یہ بھی اسی معرفت کی طرف راجح ہے۔ اور یہ سراسر شریعت کے موافق ہے۔[57]

۵۔ کھجور سے روزہ افطار کرنے کی برکت

کھجور سے روزہ افطار کرنے کا راز کھجور کے برکت ہونے میں ہے کیونکہ کھجور کا درخت عنوانِ جامعیت اور اعدلیت کی صفت کے انسان کے رنگ میں پیدا کیا گیا ہے۔ اسی لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے درخت کو نبی آدم کا چچا قرار دیا ہے ارشادِ نبوی ﷺ ہے: "**اكرموا عمتكم النخيلة فانها خلقت من بقية طينة ادم**"[58] چونکہ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے اور باقی ماندہ مٹی سے کھجور کے درخت پیدا کیا گیا۔ اس ضمن میں یہ حدیثِ مبارکہ بطور دلیل پیش کرنے کے بعد امام ربانی فرماتے ہیں کہ کھجور سے روزہ افطار کرنے میں جس برکت کی طرف اشارہ فرمایا گیا اس کی نسبت جامعیت کے اعتبار سے ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس کے پھل یعنی کھجور سے افطار کرنے میں وہ کھجور افطار کرنے والے کا جزء بن جاتی ہے اور اس کی حقیقت جامعہ اس جزئیت کے اعتبار سے اس کے کھانے والے کی حقیقت کا جزء بن جاتی ہے۔ اور اس کا کھانا بے انتہا کمالات کا جامع ہوتا ہے جو اس کھجور کی حقیقت جامعہ میں مندرج ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "**السحور المؤمن من التمر**"[59]

حضرت مجددؒ نے مزید کہا کہ اس سے مراد یہ ہو سکتی ہے کہ غذا جو کے صاحبِ غذا کا جزء بن جاتی ہے اس غذا کی حقیقت سے اس حقیقت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور کھجور سے سحر کی ترغیب دی گئی تو گویا اس کا کھانا تمام ماکولات کے کھانے کا فائدہ پہنچاتا ہے اور اس کی برکت جامعیت کے اعتبار سے افطار کے وقت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ یہ وقت روزہ دار کے لیے شہوات مانعہ اور لذات فانیہ سے خالی ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ کھجور کے فائدے کی حقیقت اس وقت میسر ہوتی ہے کہ اس کا کھانا صورت سے گزر کر حقیقت تک پہنچا ہو اور ظاہر سے باطن تک آرام کیے ہوئے ہو اور ظاہر غذا اس کے ظاہر کے لئے اور باطنی غذا اس کے باطن کے لئے ہے۔[60]

- **متفرق موضوعات سے متعلقہ احادیث کی شرح**

ا۔ قراءتِ حکمی کی حکمت

امام کے پیچھے قرات کرنے کے حوالے سے ائمہ فقہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حدیث "**انه ليغان علي قلب**"[61] کی رو سے امام ربانیؒ نماز کے دوران امام کے پیچھے قرات نہ کرنے کی حقیقت اور پوشیدہ حکمت کو آشکارا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میری ہمیشہ یہ آرزو رہی ہے کہ مذہبِ حنفی میں کوئی معقول وجہ مل سکے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قراءت کی جا سکے۔ جیسا کہ نماز

میں قرات فرض ہے تو قراتِ حقیقی کو چھوڑ کر قراءتِ حکمی کو اس کی جگہ دینا معقول معلوم نہ ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ آپ مذہبِ حنفی کی تقلید فرماتے تھے تو اسی وجہ سے امام کے پیچھے قراءت کو ترک کرتے رہے اور اس ترک کو آپ ریاضت و مجاہدہ کی قسم میں شمار کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنا الحاد ہی ہے۔ اللہ رب العزت نے مذہبِ حنفی کی اس رعایت کی برکت سے مقتدی کی قراءت کو چھوڑنے کے بارے میں مذہبِ حنفی کی حقیقت کو واضح فرمادیا اور میری نگاہِ بصیرت میں قراءتِ حکمی ہی قراءتِ حقیقی کی بجائے زیبا نظر آئی۔ کیونکہ امام اور مقتدی سب متفقہ طور پر مقامِ مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں اور نماز پڑھنے والا اپنے پروردگار کے سامنے دراصل مناجات ہی کررہا ہوتا ہے اور امام اس سلسلے میں پیشوا ہوتا ہے۔ لہذا امام جو کچھ پڑھتا ہے گویا پوری قوم کی زبان سے پڑھتا ہے۔

آپ اس کی وضاحت کے لیے ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ جس طرح کسی مسئلہ پر کسی وفد کی طرف ایک پیشوا بادشاہ کے سامنے پوری جماعت کی طرف سے حاجت بیان کرتا ہے اور اس صورت میں اگر سب لوگ بولیں گے تو بے ادبی اور گستاخی شمار ہوگی اور بادشاہ کی ناراضگی کا بھی سبب بنے گی۔ یہی حال امام کی قراءت کا ہے کہ یہ شور و شغب میں داخل اور ادب سے دور اور تتر بتر ہونے کا باعث ہے جو کہ اجتماع کے منافی ہے۔ آپؒ مزید لکھتے ہیں کہ حنفی اور شافعی فقہ کے اکثر اختلافی مسائل اسی قسم کے ہیں کہ ان کا ظاہر اور ان کی صورت تو امام شافعی کی جانب ترجیح دینے والی ہوتی ہے لیکن ان کا باطن اور ان کی حقیقت مذہب حنفی کی تائید کرتی ہے۔[62]

۲۔ حدیثِ قرطاس کی شرح

"**من اخلص الله اربعين صباحا ظهرت ينابيع الحكمة من قلبه علي لسانه**"[63] کی شرح کرتے ہوئے امام ربانیؒ لکھتے ہیں کہ روافض کا یہ دعویٰ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے قریب اہلِ اسلام کے درمیان مخالفت واقع ہوئی اور ان میں سے چند کا ذکر بھی کیا جیسا کہ مخالفتِ اول میں وصال کے قریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب " **ايتوني بقرطاسٍ....** " کا حکم دیا تو حضرت عمرؓ اس امر سے راضی نہ ہوئے اور کہا کہ "**ان الرجل غلبه الله الوجع و عندنا كتاب الله حسبنا**" (بے شک حضور پر اللہ نے درد غالب کیا اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے جو کافی ہے)۔ پس صحابہ نے اختلاف کیا کہ آواز زیادہ ہوگئی اور حضرت پیغمبرِ اعظم ﷺ اس معنی سے آزردہ ہوئے اور فرمایا اٹھ جاؤ! میرے پاس نزاع درست نہیں۔ مخالفتِ دوم یہ تھی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ایک جماعت مقرر فرمائی کہ وہ حضرت اسامہؓ کے ہمراہ سفر کرے تو بعض نے اختلاف کیا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "**جهزوا جيش اسامة لعن الله من تخلف عنه**" لہذا شیعہ حضرات کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو وصیت لکھنے کا حکم فرمایا وہ اس آیتِ کریمہ " وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ "[64] کے تقاضا پر وحی ہے جو حضرت عمرؓ نے منع کیا تو وہ وحی کا انکار ہے اور وحی کا رد کفر ہے۔ اس پر وہ اس آیتِ کریمہ سے بطور دلیل استفادہ کرتے ہیں: وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ[65] اور کافر

خلافت پیغمبر کے قابل نہیں نیز لشکر اسامہ بھی مذکورہ بالا دلیل کے مطابق کفر ہے۔ اسی طرح شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مروان کو مدینہ منورہ سے نکالنا ضرورتِ وحی سے ہے اور حضرت عثمانؓ کا اسے واپس لانا، اس کو امور تفویض کرنا اور اس کی تعظیم کرنا کفر ہے۔

اس سب کے جواب میں امام ربانیؒ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمیع قوال وافعال بموجب وحی نہیں ہیں کیونکہ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمیع اقوال وافعال بموجب وحی ہوتے تو ان کے بعض اقوال وافعال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعتراض وارد نہ ہوتا۔ اس کے حوالے سے انہوں نے مختلف آیاتِ قرآنیہ سے استدلال کرنے کے بعد لکھا کہ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک بعض اقوال وافعال رائے واجتہاد کے باعث ہوں۔ اسی طرح بعض اوقات وحی صحابہ کرام کی رائے کے موافق نازل ہوئی اور اسیر انِ بدر کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے بارے میں فرمایا: " **لو نزل عذاب ما نجا إلا عمر** " 66

اس کے بعد آپؒ کہتے ہیں کہ کاغذ منگوانے، لشکر اسامہ کی تجہیز اور اخراج مروان کا حکم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طریقِ وحی سے نہ فرمایا ہو بلکہ اجتھاد ورائے کے طریقے سے فرمایا ہو لہذا اس کا خلاف کفر نہیں کیونکہ اس قسم کا خلاف صحابہ سے وارد ہوا ہے۔ یہاں پر آپ شارح المواقف کا نقل کردہ قول آمدی تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمان وصالِ نبی ﷺ کے وقت ایک ہی عقیدہ پر تھے مگر جو دل میں نفاق رکھتا اور وفاق کو ظاہر کرتا (اس کا اور طریقہ تھا)۔ پھر ان میں امور اجتہادیہ میں خلاف پیدا ہوا جس سے نہ ایمان واجب ہوا اور نہ کفر۔ اس سے ان کی غرض سے صرف " مراسم دین " کی اقامت اور " مناہج شرع " کی ادامت تھی۔ ان میں سے ایک خلاف مرض وصال میں قول نبی پر ہوا اور اس کے بعد لشکر اسامہ کے تخلف سے متعلق ہوا کہ ایک جماعت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو سامنے رکھتے ہوئے اتباع کو واجب جانا اور ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحتِ طبع کے انتظار میں تخلف فرمایا۔

حضرت مجددؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتھاد بھی وحی تھا پس صادق آیا کہ ان کے جمیع اقوال وافعال بموجب وحی تھے اس طرح احکام اجتھادیہ بھی بموجب وحی ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہاں فرق ہے کہ ہر ایک فعل اور ہر ایک قول وحی سے صادر ہوا تو اس جگہ وحی سے اجتھاد کا جواز ثابت ہوا۔ (امت میں وحی تو جاری نہ رہے گی اجتھاد جاری رہے گا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ٹھہرے)۔

احادیث کی موضوعاتی شرح سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عوام الناس میں سے کسی کو کسی امر کے بارے میں اشکال پیدا ہوتا تو آپؒ احادیثِ مبارکہ کی تشریح وتوضیح دیگر احادیثِ مبارکہ سے کرتے تھے۔ اسی طرح جہاں کسی موضوع سے متعلق آیاتِ قرآنی کو بطور دلیل پیش کیا تو ساتھ ہی اس کی تشریح بھی کر دی تاکہ قاری ہر قسم کے شک وشبہ سے محفوظ رہ سکے۔ نیز موضوعاتی مطالعہ

سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ روئیتِ باری تعالیٰ، صفاتِ الٰہیہ، نبوتِ محمدی ﷺ اور تصوف کے اسرار ورموز کی قرآن وسنت سے تعبیر کی اور واضح کر دیا کہ کوئی بھی پہلو ایسا نہیں جس میں انسانی زندگی میں ان اہم عنوانات سے متعلق اشکالات نہ پیدا ہوئے ہوں اور ان اشکالات کا خاتمہ صرف اور ماخذ شریعت سے جڑے رہنے میں ہے اور قرآن وسنت پر عمل ہی راہ نجات ہے۔

مصادر و مراجع

[1] Prof. Dr. Humayun Abbas, Dr. Majid Mushtaq, Dr. Iftikhar Ahmad Khan. (2025). A Critical Analysis Of Contemporary Trends In Qurʾānic Exegesis. *Tpm – Testing, Psychometrics, Methodology In Applied Psychology*, *32*(3- September), 1393–1397.

2۔ صحیح مسلم،باب یدخل الجنة.....الخ،رقم الحدیث:۲۸

[3]۔ مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد سرہندی، معارفِ لدنیہ، مترجم: سید زوار حسین شاہ، کراچی: ادارہ مجددیہ،۱۹۶۸ء، معرفت ۲۱، ص ۴۲ تا ۴۴

[4]۔سورة الشوری: ۱۱

[5] . Ayub, Q., & Abbas, H. (2020). URDU-8 Perfect man, in respect of Quran and Rumi's thoughts. *Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities* , *4*(1), 106-117. https://doi.org/10.53575/u8.v4.01.106-117

[6]۔ معارفِ لدنیہ، معرفت ۲۱، ص ۴۴ تا ۴۵

[7]۔صحیح بخاری، کَتَابُ الإیمَان، باب فضل من استبرا لدنیه،رقم الحدیث:۵۲/ صحیح مسلم، کَتَابُ الْمُسَاقَاة، باب اخذ الحلال و ترکَ الشبهَات،َرقم الحد یث :۱۵۹۹

[8]۔ مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد سرہندی، مبداؤ معاد، مترجم: سید زوار حسین شاہ، کراچی: ادارہ مجددیہ،۱۹۶۸ء، منھا ۱۷، ۴۲ تا ۲۷

9-صحیح البخاری ، کتاب اللباس ،باب الثیاب البیض،رقم الحدیث:۵۸۲۷

10- صحیح البخاری، کتاب العلم،باب من خص بالعلم قوما دون قوما،رقم الحدیث:۱۲۸

11-ایضاً، کتاب احادیث الانبیاء،باب قوله(یا اهل الکتاب لا تغلوا....)،رقم الحدیث : ۳٦۳۵

12-صحیح مسلم، کتاب الایمان،باب الدلیل علی ان مات علی التوحید دخل الجنة قطعا،رقم الحدیث: ۲٦

[13]۔ مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد سرہندی، تحقیق الکلمۃ الطیبہ ، تحقیق و تعلیق: ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس، لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۲۰۱۰ء، ص ۴۷ تا ۷۸

14- صحیح مسلم، کَتَابُ الْإِیمَانَ،باب فی قوله علیه السلام: ان الله....،رقم الحدیث:۲۹۳

[15]۔ مجدد الف ثانیؒ، شیخ اَحمد سرہندی، شرح رباعیات، مشمولہ: رسائل مجدد الف ثانیؒ، ترتیب: علامہ غلام مصطفی مجددی، لاہور: قادری رضوی کتب خانہ،۲۰۰۹ء، ص ۲۲۰ تا ۲۲۲

16-نیشاپوری، نظام الدین الحسن بن محمد،غرائب القرآن و رغائب الفرقان،بیروت:دارالکتب العلمیة،۱٤۱٦ھ ، سورة النساء،آیة: ۱۲۷ ، ۲/۵۰٦

[17]مکتوبات امام ربانی کی روشنی میں اصطلاح سیر و سلوک ایک تجزیاتی مطالعہ 1070-1055 ,(1)5 ,*Tanazur*. (2024) .

[18]۔ معارفِ لدنیہ، معرفت ۳۸، ص ۲۷ تا ۳۷

[19]۔ مبداؤ معاد، منھا۔ ۱۳، ص ۳۱ تا ۳۲

[20]۔رد روافض، مشمولہ: رسائلِ مجدد الف ثانی، ص۱۶۱

[21]۔ مسند احمد،مُسْنَدُ الْمُكْثِرِينَ مِنَ الصَّحَابَةِ،مسند انس بن مالک،رقم الحديث :١٢٢٩٣ و ١٢٢٩٤ و ١٤٠٣٧

[22]۔مبداؤ معاد، منھا۸، ص۱۹

23۔ صحيح البخارى،كتاب احاديث الانبياء،باب واذكر فى كتاب الله،حديث:٣٦٣٧،باب وانشق القمر، ٤٨٦٨

[24]۔مبداؤ معاد، منھا۲۴، ص۴۹

[25]۔سورة الفرقان:٧

[26]۔مبداؤ معاد، منھا۲۴، ص۴۹تا۵۰

27۔صحيح البخارى،كتاب أصحاب النبي ﷺ،باب مناقب عمر بن الخطاب...،رقم الحديث :٣٦٧٩

[28]۔مبداؤ معاد، منھا۵۱، ص۸۱تا۸۲

[29]۔صحيح البخارى،كتاب فضائل القرآن،باب كيف نزل الوحى واول ما نزل، رقم الحديث:٤٩٨١

[30]- سنن الترمذي، كتاب المناقب، باب من فضل النبى صلى الله عليه وسلم،رقم الحديث: ٣٦١٦

[31]. صحيح البخارى،كِتَابُ النِّكَاحِ،باب حسن المعاشره مع الاهل،رقم الحديث:٥١٩٠،باب نظرالمراة الى----، رقم الحديث:٥٢٣٦

[32]-صحيح مسلم،كتاب الفضائل،باب تفضيل نبينا على جميع الخلائق،رقم الحديث:٢٢٧٨/سنن ابي داؤد،كتاب السنة، باب فى التخيير بين الانبياء عليهم الصلوة والسلام، رقم الحديث: ٤٦٧

[33].اصبهانى،ابو نعيم احمد بن عبدالله،حلية الاولياءوطبقات اصفياء،بيروت:دارالكتاب العربى،١٣٩٤ھ، باب مالك بن انس فمنهم..... الخ ،٣٣٣/٦

[34]۔سورة المائدة: ٦٧

[35]۔تہلیلیہ، ص۷۹تا۸۳

[36]. صحيح مسلم، كتاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب من لعنة النبى ﷺ....، رقم الحديث:٢٦٠٣

[37]۔ مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد سرہندی،اِثبَاتُ النبوۃ فِی تحقیق النبوۃ، تحقیق و تخریج: ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس، لاہور: پروگریسو بکس، جنوری۲۰۱۹ء، ص۱۹۰۔۱۹۱

[38]۔صحيح البخارى،كِتَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ،باب ليغفرلک الله ماتقدم....، رقم الحديث:٤٨٣٦/كِتَابُ الرِّقَاقِ، باب الصبر عن محارم الله، رقم الحديث:٦٤٧١

[39]۔سورة الواقعة:١٢

[40]۔ مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد سرہندی، مکاشفاتِ عینیہ، کراچی: ادارہ مجددیہ، ۱۳۸۴ھ، مکاشفہ ۲۱، ص۴۶تا۴۹

41۔مسند احمد، مُسْنَدُ الشَّامِيِّينَ ،حديث عقبة بن عامر الجهنى ، رقم الحديث: ١٧٤٠٥

42۔البیضاوی،ابو سعید ناصرالدین، تفسیر بیضاوی ، محقق :محمد عبدالرحمن المرعشلی،بیروت:داراحیاء الثرات الغزلی ، ١٤١٨ھ،سورۃ الانفال :آیات ٧٠تا٧١ ، ٦٧/٣

43۔صحيح البخارى، كتاب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ، بَابُ فَضْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ، رقم الحديث: ٣٧٧٥

44- صحيح البخارى، كِتَابُ فَرْضِ الخُمُسِ ، رقم الحديث: ٣٠٩٣

45۔رسائل مجدد الف ثانیؒ، ص۱۴۲تا۱۴۸

46۔اثبات النبوۃ، ص۱۲٦

47۔مبداؤ معاد، منھا۱۲، ص۲۴تا۲۸

48-سنن النسائی، كِتَابُ الافْتِتَاحِ ، جَامِعُ مَا جَاءَ فِي الْقُرْآنِ ، رقم الحديث: ٩٤٠

49-صحيح مسلم، كِتَاب الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ وَالتَّوْبَةِ وَالاسْتِغْفَارِ، باب استحباب الاستغفار، رقم الحديث :٢٧٠٢

50-ایضا، كتاب الْقَدَرِ، بابَ نصرف اللهَ تعالىٰ القلوبَ،رقم الحديث: ٢٦٥٤/بلخى، ابو الحسن مقاتل بن سليمان،تفسير مقاتل بن سليمان،محقق :عبدالله محمود شحاۃ،بيروت: دار احيا التراث،١٤٢٣ھ، باب كلمة انصاف لمقاتل المتكلم ١١٣/٥

51- مسند احمد، مُسْنَدُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، رقم الحديث: ٩٤٢٠

52-صحيح البخارى، كِتَابُ الإِيمَانِ ، بَابُ فَضْلِ مَنِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِه ، رقم الحديث: ٥٢

53۔مبداؤ معاد، منھا۱۳، ۳۰تا۳۴

54- صحيح بخارى، كِتَابُ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ ،باب الصلوٰت الخمس كفارة، رقم الحديث:٥٢٨

55۔مبداؤ معاد، منھا۵۵، ص۸۴۔۸۵

56۔صحيح البخارى، كِتَابُ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ بَابُ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ وَفَضْلِهَا،رقم الحديث:٥٠،كِتَابُ تَفْسِيرِ القُرْآنِ، باب قَوْلِه: {إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ}،رقم الحديث: ٤٧٧٧

57۔مبداؤ معاد، منھا۵۷، ص۸٦

58۔ ابو یعلی،احمدبن علی،مسند ابی یعلی موصلی،محقق:حسین سلیم اسد،دمشق:دار المامون للتراث،١٤٠۴ھ،باب مسند علی بن ابی طالب،رقم الحدیث:٤٥٥

59۔ سنن ابی داؤد،باب من سمی السحورالغداء،رقم الحدیث:٢٣٤٥

60۔مکاشفاتِ عینیہ، مکاشفہ ۱۵، ص۳۷۔۳۸

[61]۔ صحیح مسلم، كتاب الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ وَالتَّوْبَةِ وَالاسْتِغْفَارِ، باب استحباب الاستغفار، رقم الحديث :٢٧٠٢

[62]۔مبداؤمعاد، منھا۲۸، ص۵۳۔۵۴

[63]۔قاضی عیاض،اکمال المعلم بفوائد مسلم،محقق :دکتور یحییٰ اسماعیل،مصر :دار الوفا للطباعة و النشر و التوزیع، ۱٤۱۹ھ، شرح حدیث:۳٥، ۱٥٤/۷

[64]۔سورۃ النجم:۳

[65]۔سورۃ المائدۃ: ٤٤

[66].تفسیر بیضاوی،سورۃالانفال:آیات ۷۰تا۷۱ ، ٦۷/۳